ڈاکٹر طاہر سعید کے نام (۹)
ڈاکٹر حافظ محمد مقصود

اسلامی دُنیا کا خدا سے باغی نظامِ تعلیم

عملی مرعوبیت

پھر ستم بالائے ستم یہ کہ ہم نے اپنی تعلیم گاہوں کے اندر کلیتہً مغربی اور یورپی ماحول پیدا کرنے کی بھرپور کوشش کی۔ ہم نے ایڑی چوٹی کا زور لگایا کہ ہمارے بچے انگریزی زبان بولیں، انگریزی لباس پہنیں اور ماں باپ، بہن بھائیوں اور دوسرے عزیز و اقارب کو انگریزی زبان کے آداب و القاب سے پکاریں۔ کھانے پینے، اُٹھنے بیٹھنے، سونے جاگنے، چلنے پھرنے کھیلنے کودنے اور ہنسنے چھینکنے میں ٹاٹا، ٹاٹا۔ ممّی۔ اور ڈیڈی، انکل، اور انٹی، پپّو، اور پپی، سسٹر اور برادر، ایٹ اور ڈرنک، سِٹ اور سٹینڈ اور گڈ مارننگ گڈ ایوننگ اور گڈ بائی ہی کے الفاظ بلا تکلّف استعمال کریں، تاکہ کوئی اُن پر قدامت پرستی اور پسماندگی کی پھبتی چُست نہ کر سکے۔ ہم نے اپنے نوجوان لڑکوں اور لڑکیوں کو میڈیکل کالجوں میں ایک ہی کلاس روم، ایک ہی وارڈ اور ایک ہی لیبارٹری میں خلط ملط ہونے اور شانہ بشانہ چلنے کی بھرپور تربیت دی تاکہ اگر اُن کے اندر اسلامی حیاء کی کوئی رمق باقی ہو تو اُسے بھی جڑ بنیاد سے اُکھیڑ دیا جائے۔ خود ہم نے اور ہماری کتابوں نے اُن کے سامنے صدیق رضؓ و عمر رضؓ اور خالد رضؓ و علی رضؓ کی بجائے ابرہام لنکن اور نیپولین بونا پارٹ اور رومیؒ و غزالیؒ کی جگہ اسپنسر اور مِل اور سٹالن اور چرچل کے گیت گائے۔ چنانچہ اکبر کے بقول ؎

غزالی و رومی کی بھلا کون سُنے گا
محفل میں چھڑا نغمۂ اسپنسر و مِل ہے

دوسرا بڑا اور عظیم ظلم ہم نے یہ کیا کہ دن بھر کی تھکان اور بوریت کو دُور کرنے کے لیے سکولوں اور کالجوں میں آخری گھنٹہ (PERIOD) اسلامیات کے لیے

وقف کر دیا اور تجربہ گواہ ہے کہ یہی آخری پیریڈ ہمیشہ تفریح و فراغت اور ہنسی مذاق کا پیریڈ رہا ہے۔ اس سے جذبۂ دین و اسلام میں اضافہ تو کیا ہوتا اُلٹا طلبا کے دلوں میں رہی سہی رُوحِ ایمانی کا بھی، ہم نے نہایت دھوم سے جنازہ نکال دیا۔ اس کا نتیجہ یہی برآمد ہونا تھا اور فی الواقع یہی ہُوا کہ دین طلبا کی نگاہوں سے گرگیا اور اسلامی ارکان اُنھیں ڈھکوسلے نظر آنے لگے۔ صاف ظاہر ہے کہ جب ہم نے اپنے طلبا کے سامنے اپنے دین کو فزکس، کیمسٹری، ریاضی اور تاریخ سے کم تر اور حقیر تر بنا کر پیش کیا تو ہمیں اس جرمِ عظیم کی کم سے کم نقد سزا غیرت مند خدا کی جانب سے یہ ملی کہ ہمارے بچے اور طلبا خود ہماری آنکھوں کے سامنے لغو اور بیہودہ قسم کی کلبوں کے ممبر، مینا بازاروں کے اہل کار، رقص و سرود اور شراب و قمار کی محفلوں کے فن کار اور موسیقار، اسٹوڈیوز کے گلو کار اور فحش و عُریاں فلموں کے اداکار بن گئے۔ اُن کا سارا دفترِ علم ع" علم را بر تن زنی مارے بود" کے مصداق جب خدا کے تصوّر سے باغی ہوگیا تو وہ تلذّذ و تعیّش کا بدترین قلادہ اپنے گلے میں ڈال کر لذّات و خواہشاتِ نفسانی کے غلام و اسیر بن کر رہ گئے۔

انہی طلبا اور نوجوانوں نے اس بے خدا علم کے ایک منطقی نتیجے کے طور پر جب اپنی بدن پرستی، فیشن اور تن پروری کے لیے اپنے بزرگوں سے "مسجد کے زیرِ سایہ خرابات" بنانے کا مطالبہ کیا تو وہ چراغ پا ہو کر ایک دوسرے کا منہ تکنے لگے کہ یہ کونسا طوفانِ بدتمیزی ہے جو اس نئی نسل نے برپا کر دیا ہے اور خرابیٔ دماغ کا یہ کیسا عارضہ ہے جو نسلِ نو کو لاحق ہوگیا ہے۔ مگر زمانے نے ثابت کیا اور تجربات و حوادث نے اس پر مہرِ تصدیق ثبت کر دی کہ خرابیٔ دماغ کی اس بیماری میں پہلی بار نسلِ جدید مبتلا نہیں ہوگئی تھی بلکہ اُن کے وہ بڈھے بوڑھے "مرشدانِ خود بین" خود اپنی اولاد کو بے خدا کتابیں اور ماحول دے کر اسی خرابیٔ دماغ یا پاگل پن کے شکار ہو چکے تھے۔ اور اگر یہ بے خدا نظامِ تعلیم اور غلامانہ ماحول مزید برقرار رہا تو ہمیں روزِ روشن کی طرح صاف نظر آجائے گا کہ کالجوں اور یونیورسٹیوں کے مخلوط ہنگاموں اور سیاسی د

انتخابی ہتھکنڈوں میں درندگی، چالاکی اور حیوانیت کے جو ریکارڈ یہ" اسلامی نوجوان نسل" قائم کر چکی ہے وہ کبھی جنگل کے بھیڑیے اور صحراؤں کی لومڑیاں بھی قائم نہ کر سکے۔ اور وہ دن دور نہیں جب یہی نسل (اگر ان کی بروقت اصلاح نہ کی گئی) جمہوریت و سیاست کی گدی پر متمکن ہو جائے تو ابلیس کو خداوندِ جہاں کے حضور یہ استعفیٰ دینا پڑے کہ بے خدا نظامِ تعلیم کی فیکٹریوں سے برآمد شدہ انسان نما حیوانوں کی موجودگی میں اب زمین پر میری ضرورت ہی باقی نہیں رہی ؎

جمہور کے ابلیس ہیں اربابِ سیاست
باقی نہیں اب میری ضرورت تہِ افلاک

نوجوان نسل کی بے راہ روی کا یہ خاکہ جو میں نے اُردو الفاظ کا جامہ پہنا کر پیش کیا ہے اِس سے ملتا جلتا دردِ دلِ اقبالؔ سے فارسی زبان میں سُنیئے ؎

۱۔ بے نصیب آمد ز اولادِ غیور	جاں بہ تن چوں مُردہ در خاکِ گور
۲۔ از حیا بیگانہ پیرانِ کہن	نوجواناں چوں زناں مشغولِ تن
۳۔ در دلِ شاں آرزو ہا بے ثبات	مُردہ زایند از بطونِ اُمّہات
۴۔ دخترانِ او بہ زُلفِ خود اسیر	شوخ چشم و خود نُما و خوردہ گیر
۵۔ ابرواں مثلِ دو تیغِ آختہ	ساختہ، پرداختہ، دل باختہ

ترجمۂ اشعار :

۱۔ قوم کی مائیں غیرت مند اولاد سے محروم ہو گئیں۔ ان کے بچوں کے جسم میں جان کی مثال ایسی ہے جیسے قبر کے اندر مُردہ دفن ہو۔

۲۔ بڑے بوڑھے حیا سے بیگانہ ہو چکے ہیں اور نوجوان عورتوں کی طرح اپنا جسم سنوارنے میں مشغول رہتے ہیں۔

۳۔ ان کے دلوں میں جلد مٹ جانے والی فانی آرزوئیں اور تمنائیں ہی ہوتی ہیں اور ایسا لگتا ہے جیسے ماؤں کے پیٹ سے وہ مُردہ پیدا ہو گئے ہیں۔

۴۔ اس قوم کی لڑکیاں اپنے بالوں اور زلفوں کو زیادہ سے زیادہ خوبصورت بنانے

کی دُھن میں لگی ہوئی ہیں جو شوخ چشم، دوسروں کی عیب جوئی کرنے والیاں اور اپنے حسن کی نمائش کرنے والیاں بن چکی ہیں۔

۵۔ اُن کے ابرو دو سونتی ہوئی تلواروں کی طرح ہوتے ہیں اور وہ آراستہ و پیراستہ اور دل باختہ ہوتی ہیں۔

اسی طرح دخترانِ ملّت کی بے مقصدیت، بے راہ روی اور حالتِ زار پر کفِ افسوس ملتے ہوئے فرمایا:

فکرِ اُو از تابِ مغرب روشن است ظاہرش زن، باطنِ اُو نازن است

شوخ چشم و فتنہ زا آزاد نیش از حیا نا آشنا آزادیش!

ترجمہ: اِس قوم کی لڑکیاں مغربی افکار و نظریات اور ظاہری چمک دمک سے متاثر ہیں۔ بظاہر تو وہ عورت نظر آتی ہے مگر حقیقت میں وہ زنانہ صفات سے عاری ہو کر نا عورت بن گئی ہے۔ حیا سے بالکل نا آشنا اور شوخی اور فتنہ جوئی کے لیے اپنے آپ کو ہر قسم کی پابندی سے بالکل آزاد سمجھتی ہے۔

یہ تھے ایک غلط اور بے خدا نظامِ تعلیم کے نہایت دُور رس اور زہریلے اثرات جس نے پوری دنیا کے اندر نسلِ جدید کے دماغوں کو پراگندہ کر کے بے خدا بنا دیا اسی صورتِ حال اور بے خدا نظامِ تعلیم کی اس عمومی تباہی اور ذہنی و فکری شوریدگی پر ڈاکٹر محمد رفیع الدّین مرحوم اپنے ایک ایمان افروز مقالے میں یوں رقمطراز ہیں:

"اس وقت عالمِ انسانی میں کوئی بھی نظامِ تعلیم ایسا نہیں جو تعلیم کو ایک اندرونی نشو و نما کے عمل کی حیثیت سے اپنا صحیح اور قدرتی راستہ اختیار کرنے کے لیے آزاد چھوڑتا ہو۔ بلکہ جس طرح سے آم کا نوخیز پودا ایک طرف دباؤ پڑنے سے اُگنے کے باوجود ٹیڑھا ہو جاتا ہے یہاں تک کہ جھک کر زمین سے لگ جاتا ہے، اسی طرح سے اس وقت دنیا کے ہر نظامِ تعلیم کے اندر کسی نہ کسی غلط اور ناقص مقصدِ حیات اور مقصدِ تعلیم کا دباؤ نوخیز لڑکوں اور لڑکیوں کی شخصیتوں کو ٹیڑھا کر رہا ہے۔ یہاں تک کہ اب ٹیڑھی اور غیر قدرتی نشو و نما پانے والی شخصیتوں نے

عالمِ انسانی کو بھر دیا ہے۔ کوئی تعجّب نہیں کہ طفولیتی بے راہ روی (DELIQUENCY) کی حدود ہر روز پھیلتی چلی جا رہی ہیں۔ کوئی تعجّب نہیں کہ امریکہ کی مخلوط یونیورسٹیوں میں آزادانہ جنسی میل جول کی شرمناک تحریکیں اربابِ اختیار کی چشم پوشی سے ہی نہیں، بلکہ سرپرستی میں کھلّم کھلاّ منظّم کی جا رہی ہیں۔ کوئی تعجّب نہیں کہ خودکشیوں، ڈکیتیوں، قتلوں اور دوسرے جرموں کے اعداد و شمار بڑھتے جا رہے ہیں۔ کوئی تعجّب نہیں کہ اس وقت عالمِ انسانی ہر لمحہ ایک عالمگیر جنگ کی تباہ کاریوں کا خطرہ محسوس کر رہی ہے۔ کوئی تعجّب نہیں کہ اقتصادی خوشحالی کے باوجود مہذّب اور ترقی یافتہ لوگوں کے دل بے قرار اور زندگی سے بیزار ہیں۔ اس وقت نوعِ انسان کی سب سے بڑی بدبختی ایٹم بموں اور میزائلوں کے جا بجا پھیلے ہوئے انبار نہیں، بلکہ غلط اور بے خدا تعلیم کی عالمگیری ہے جس سے انسان کی اور تمام بدبختیاں پیدا ہو رہی ہیں۔ افسوس ہے کہ اس وقت ہمارا پاکستانی نظامِ تعلیم بھی، جس کو ہم نے اسلامیات کا ایک مضمون شامل کر کے صحیح بنانے کی کوشش کی ہے، مغرب کے بے خدا اور غلط نظام ہائے تعلیم کی ایک بھونڈی نقل ہے۔ اسلامیات کا مضمون شامل کرنے سے اس کے اساسی لادینی مقصدِ حیات اور مقصدِ تعلیم میں کوئی فرق نہیں آیا۔ البتّہ پاکستانی طالب علم کے ذہن میں یہ بات اور واضح ہو گئی ہے کہ یونیورسٹی کے اصل علوم کے ساتھ جو پورے نصاب کا پچانوے فی صد حصّہ ہیں، اسلام یا اسلامیات کا کوئی تعلق نہیں۔"

پھر اسی قصّہء درد کو سناتے سناتے مزید آگے جا کر مرحوم ڈاکٹر صاحب موصوف ایک آہِ سوز کے ساتھ لکھتے ہیں:

" اگر نوعِ انسانی نے زندہ رہنا ہے اور پھر اگر اس نے امن و اتحاد کی نعمتوں سے ہمکنار ہونا ہے، اگر اس نے اپنی علمی، اخلاقی، جمالیاتی، روحانی اور مادی ترقیوں کی اس انتہا تک پہنچنا ہے جو اس کی فطرت

(باقی صفحہ ۴۸ پر)